امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کی ولی عہدی

ازقلم : حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تائید و حواشی : علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

شائع شدہ : ماہنامہ "رحیق" لاہور (جون ۱۹۵۸ء)

مع

واقعہ حرہ تصویر کا دوسرا رخ

ازقلم مولانا مطلوب الرحمٰن ندوی نگرامی شائع شدہ الفرقان لکھنؤ (ستمبر اکتوبر ۱۹۹۲ء)



جمع و تدوین : محمد فہد حارث

حارث پبلی کیشنز

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کی ولی عہدی

از قلم:

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

تائید وحواشی:

علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ

شائع شدہ: ماہنامہ ''رحیق'' لاہور (جون ۱۹۵۸ء)

مع

واقعہ حرہ۔ تصویر کا دوسرا رخ

از قلم:

مولانا مطلوب الرحمٰن ندوی نگرامی

شائع شدہ: الفرقان لکھنو (ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۲ء)

جمع وتدوین: محمد فہد حارث

حارث پبلی کیشنز



شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

عرض ناشر

زیر نظر رسالہ دراصل دو مضامین کا مجموعہ ہے جو کہ ماضی قریب کے دو جلیل القدر علماء کے قلم سے وجود میں آئے تھے۔ پہلا مضمون شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی نگارشات پر مشتمل ہے جو کہ ایک سائل کا استفسار کہ ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل کیا غیر مستحسن نہیں کہ انہوں نے یزید جیسے فاسق و فاجر کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا'' کے جواب کے طور پر آپ نے رقم کیا تھا۔

یہ مضمون مولانا حسین احمد مدنی کے مجموعہ مکتوبات کی جلد اول میں شائع ہو چکا ہے۔ تاہم شیخ الحدیث علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ نے اپنے زیرِ ادارت نکلنے والے مجلّہ رحیق جون ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں اس مضمون کی افادیت کے پیشِ نظر اس کو مختصر تعلیقات و حواشی کے ساتھ دوبارہ شائع کیا۔

اس مضمون پر علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کے حواشی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے اور مضمون کے ساتھ ان حواشی کے مطالعہ سے یزید بن معاویہ کی ولایتِ عہد سے متعلق خارزار و پیچیدہ مبحث نہایت آسانی سے قاری کے ذہن میں پیدا ہونے والے شبہات کا ازالہ کر دیتا ہے۔ سو اسی سبب ہم نے مناسب سمجھا کہ اس مضمون کو جدید کمپیوٹرائزڈ کمپوزنگ کروا کر ازسرِ نو شائع کیا جائے تاکہ اس سلسلے میں وارد ہونے والے ہر طرح کے شکوک کا ازالہ ہو سکے جن کو بنیاد بنا کر بعض کم علم و کج فہم حضرات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند جناب یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کی جناب میں سوءِ ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ جیسی علم دوست شخصیت نے بلا امتیازِ مسلک ہر عالم کی تحریروں سے نا صرف استفادہ کیا بلکہ اپنے خرچے پر اہم علمی کاموں کی بازیافتی کی سعی بھی کرتے رہے۔ مجلہ رحیق بھی ان کی اس علم دوستی کی ایک مثال تھا، جس کا اجراء اکتوبر ۱۹۵۶ء میں کیا گیا۔ جس کا مقصد نہ صرف اسلام کی تبلیغ واشاعت تھی بلکہ اسلام اور اہل اسلام پر حملوں کی علمی اور سنجیدہ طریقوں سے مدافعت بھی اس کے اہم مقاصد میں شامل رہا۔ دینی صحافی حلقوں میں ماہنامہ ''رحیق'' کا بڑا خیر مقدم کیا گیا۔ لیکن یہ مجلہ صرف تین سال جاری رہا ہے اور مالی مشکلات کی وجہ سے جولائی ۱۹۵۹ء کے بعد اس کی اشاعت موقوف کردی گئی۔

جبکہ دوسرا مضمون جلیل القدر عالم ومصنف مولانا مطلوب الرحمٰن ندوی نگرامی کے قلم سے ہے جو کہ آج سے نصف صدی سے زائد عرصہ قبل مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کے بنوامیہ کے حوالہ سے ایک تنقیدی مقالہ کے جواب میں ''تصویر کا دوسرا رخ'' کے عنوان سے رقم کیا گیا تھا۔ یہ مضمون بھی اپنے مدلل مندرجات اور آسان فہم طرزِ استدلال کے سبب خاصے کی تحریر ہے جو کہ واقعہ حرہ سے متعلق کئی اہم گوشوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ مضمون ہذا ''الفرقان۔ لکھنؤ کے ستمبر واکتوبر ۱۹۹۲ء'' کے شمارے میں دوبارہ شائع کیا گیا تھا۔ ہمارے اس رسالے میں اس مضمون کا ماخذ ''الفرقان'' کا مذکورہ شمارہ ہی ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ قارئین ان دونوں مضامین کے مندرجات کو قرنِ اول کے ان پیچیدہ تاریخی حالات کے سمجھنے میں معاون پائیں گے اور ان مضامین کی ازسرنو اشاعت سے کئی ذہنوں کے اشکالات رفع ہونگے۔

اس رسالے کی اشاعت کے سلسلے میں سب سے اول اس اللہ عزوجل کے حضور شکرگزار ہوں کہ اس مالک نے اس احقر کو اس قابل بنایا کہ وہ یہ کام کرسکے۔ اگر اس

کی مدد شاملِ حال نہ ہوتو کوئی کام ممکن نہیں۔ اسی کے کرم سے یہ کام ہو سکا ہے اور اس کام کی ہر اچھائی صرف اسی ذاتِ باری تعالیٰ کے سبب سے ہے۔

اس مالک کُل کے شکریہ کے بعد اپنے عزیز دوست محترم راشد جمال، محمد صہیب نذیر اور بلال احمد راؤ کا شکریہ ادا کروں گا کہ ان کے تعاون کے بغیر یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچنا ناممکن تھا۔ ان کی ہمت اور ساتھ رہا کہ یہ کام ہو سکا۔ اللہ اس دوستی اور ساتھ کو ہمیشہ بنائے رکھے۔

اسی طرح اس رسالے کی اشاعت میں اور بھی چند احباب کی خصوصی مدد شاملِ حال رہی لیکن کیا کروں ان کی درویشانہ صفت کا کہ انہوں نے اپنے ناموں کا تذکرہ کرنے سے سختی سے منع کر رکھا ہے، اسی لئے ان کا نام لئے بغیر ہی ان کی جناب میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں۔

ساتھ ہم محترم جناب حافظ عمران حفظہ اللہ اور اوران کی زوجہ محترمہ حفظہا اللہ کے نہایت ممنون ہیں کہ انہوں نے نہایت دقتِ نظری سے نہ صرف ان مضامین کی پروف ریڈنگ کی بلکہ ہاتھ کی کتابت والے ان مضامین کو سخت محنت اور نہایت کم وقت میں جدید کمپیوٹرائزڈ کمپوزنگ کے قالب میں ڈھالا۔ اس کے لئے ہم ان کے بے حد شکر گزار ہیں۔

کسی بھی کام میں کمال صرف اس ذاتِ بے ہمتا کو ہی سزاوار ہے، مخلوق کا کام تو غلطیوں سے پُر ہوتا ہے۔ پھر بھی اپنے تیئں پوری کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں کوئی غلطی کوئی کمی نہ رہ جائے، تاہم اس کے باوجود اگر کوئی کمی یا غلطی رہ جائے تو قارئین سے التماس ہے کہ اس بابت مطلع فرمائیں، ان شاء اللہ ایجابی طریق سے آئی ہر تنقید کو سرآنکھوں پر رکھا جائے گا۔

محمد فہد حارث دبئی، متحدہ عرب امارات

۰۴ ستمبر ۲۰۱۹ء بمطابق ۰۵ محرم الحرام ۱۴۴۱ ہجری

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کی ولی عہدی

(حضرت مولانا حسین احمد مدنی مرحوم و مغفور کا ایک اہم مکتوب)

مولانا مرحوم کا یہ مکتوب گرامی ان کے مجموعہ مکتوبات جلد اول میں شائع ہو چکا ہے۔① اس میں آپ نے ان اسباب پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔ جو یزید کو ولی عہد بنائے جانے کا باعث ہوئے تھے۔

عام مورخین اور حال کے واعظین و مقررین حضرات سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کو بیان کرتے وقت یزید کی ولی عہدی کو بھی درمیان میں لے آتے ہیں اور شہادت کی کڑی اس سے ملاتے ہیں۔ ایسے حضرات ہی کے غور وفکر کے لیے ہم یہ ارشادات رحیق میں شائع کر رہے ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب کے آخر میں فرمایا ہے کہ انہوں نے یہ علمی مکتوب سفر میں بلا مراجعت کتب تحریر کیا ہے۔ اس بنا پر ہم نے زیادہ ضروری مقامات پر حواشی میں کچھ وضاحتی نوٹ دے دیئے ہیں۔ جو موضوع پر غور کرنے میں امید ہے معاون ثابت ہوں گے۔ (بحوالہ رحیق۔ از علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ)

اپنے سوالات② کا جواب بغور پڑھیے۔

(مقدمہ اولیٰ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو

① ص ۲۴۲۔ ۲۵۲۔

② حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل کیا غیر مستحسن نہیں ہے کہ انہوں نے یزید جیسے فاسق و فاجر کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا۔

احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں۔ وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔

(مقدمہ ثانیہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں صحاح میں خصوصی متعدد روایات① موجود ہیں۔

مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا فرمانا:

اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا

''اے اللہ! تو اس (معاویہ) کو ہدایت یاب اور ہادی بنا دے''۔

یا حضرت ابن② عباس رضی اللہ عنہ کا ان کے تفقہ کا اقرار کرنا وغیرہ، اس لیے اگر تاریخ کوئی واقعہ ان روایات کے خلاف پیش کرے گی تو تاریخ کی تغلیط ضرور ہو گی۔③

---

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ان سب روایات کا استقصاء حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ (ص ۱۱۹۔۱۲۵ جلد اول) میں کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی ازالۃ الخفاء ص ۱۴۶۔۱۴۷ جلد اول میں بعض کا ذکر کیا اور فرمایا ہے۔ **وقد استفاض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استکتبہ وھو لا یستکتب الا عدلا امینا انتھی**۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتب وحی ہونے کا ذکر صحیح مسلم وغیرہ کتب احادیث میں موجود ہے۔ (رحیق)

② **صحیح بخاری** ص ۵۳۱ جلد ا کتاب المناقب۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''**فھذہ شھادۃ الصحابۃ بفقھہ و دینہ و الشاھد بالفقہ ابن عباس** رضی اللہ عنہما''۔ (منہاج ص ۱۸۵ جلد ۳)

③ کیوں؟ اس لیے کہ ''مورخین کی روایتیں تو عموماً بے سروپا ہوتی ہیں نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے۔ نہ ان کی توثیق وتخریج کی خبر ہوتی ہے، نہ اتصال وانقطاع سے بحث ہوتی ہے۔ اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے۔ تو عموماً ہر غث وسمین سے اور ارسال وانقطاع سے کام لیا ہے۔ خواہ ابن الاثیر ہوں یا ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید ہو یا ابن سعد''۔ (مکتوبات مولانا حسین احمد مدنی ج ا ص ۲۶۶)

(مقدمہ ثالثہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ معصوم نہیں ہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے ان کی روحانی اور قلبی اس قدر اصلاح ہوگئی ہے۔ اور ان کی نسبت باطنیہ اس قدر قوی ہوگئی ہے کہ مابعد کے اولیاء اللہ سالہا سال کی ریاضتوں سے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اجماع امت ہر صحابی کی افضلیت کا بعد والوں پر ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی ① رحمہ اللہ سے جب پوچھا گیا کہ عمر بن عبد العزیز افضل ہیں یا معاویہ (رضی اللہ عنہم) تو فرمایا:

''امیر معاویہ کہ گھوڑے کی نتھنوں کی خاک جس پر سوار ہوکر انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا ہے، عمر بن عبد العزیز سے افضل ہے''۔

(مقدمہ رابعہ) معصوموں سے اگرچہ قصداً گناہ نہیں ہوسکتا مگر غلط فہمی سے بسا اوقات ان سے بڑے سے بڑا گناہ ہو جاتا ہے۔ مگر یہ گناہ صورۃً ہی گناہ ہے حقیقتاً نہیں ہے۔ حقیقت میں اس کو گناہ نہ کہا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون رضی اللہ عنہ کی داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچنا ایک پیغمبر کی اور وہ بھی بڑا بھائی سخت اہانت ہے، جو کہ دوسری جگہ میں کفر بلکہ شدید کفر ہے مگر یہاں گناہ بھی نہیں شمار کیا گیا۔

محشر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کے قتل کرنے کی وجہ سے مقام شفاعت عامہ میں اقدام کرنے کی جھجک ہوگی۔ مگر یہ امر اس وقت باعث خوف نہ ہوگا، حالانکہ وہ کافر

---

① (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۹) میں یہ قول امام عبداللہ ابن المبارک کا قرار دیا گیا ہے۔ (رحیق)

تھا۔ ملک دار الحرب تھا۔ دشمن خدا و رسول کا ہم قوم اور رشتہ دار تھا۔ ظالمانہ طریقہ پر اسرائیلی پر غلبہ کرتا ہوا ستا رہا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا ارادہ بھی نہ کیا تھا اور پھر اس کے بعد معافی مانگ لی اور معافی دے دی گئی۔

''قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ فَاغۡفِرۡ لِیۡ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَكُوۡنَ ظَهِيۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۷﴾''①

مگر اس ذنب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استغفار بھی منقول نہیں۔

حضرت موسیٰ نے الواح کو پٹخ (پھینک) دیا ''وَ اَلۡقَى الۡاَلۡوَاحَ''② کتاب اللہ کو پھینکنا اور پھر وہ کتاب اللہ جو خود کو دی گئی جس میں کوئی شبہ نہیں، کس قدر بڑا گناہ ہے، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی مواخذہ نہیں ہوا۔ یقیناً یہ دونوں امور اس غلط فہمی پر مبنی ہیں جو اِن کو حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی تھی۔ اور اس جوش نے یہ سب کچھ کرایا تھا۔ جو عشق خداوندی نے شرک کی حالت کے مشاہدہ سے پیدا کیا تھا، یہ جوش اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا، جب کہ طور پر خبر کر دی گئی تھی:

''فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ''③

اور قبطی کا قتل عصبیت نسلی پر مبنی تھا۔ اس لیے وہ خطرناک ہوا، اگر معصوم غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بڑے بڑے امور کا مرتکب ہو سکتا ہے تو غیر معصوم خواہ وہ کتنا ہی بڑی منقبت والا کیوں نہ ہو کیوں نہیں ہو سکتا، اور اگر اس غلط فہمی کی وجہ سے نبی اور اللہ کی

① بولا اے میرے رب! ہم نے برا کیا اپنی جان کا سو بخش مجھ کو، پھر اس کو بخش دیا۔ بے شک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔ (سورۃ قصص: ۱۶، ۱۷)
② سورۂ اعراف۔
③ ہم نے تو بچلا (آزمایا) دیا تیری قوم کو تیرے پیچھے اور بہکایا ان کو سامری نے۔ (سورۃ طہ)

اہانت اور ہاتھا پائی پر مواخذہ نہیں ہوتا تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صاحبزادوں سے جنگ وجدال پر کیا مواخذہ متروک نہیں ہوسکتا ؟

اور اگر حضرت موسیٰ کا غصہ بھائی پر ان کی رشتہ داری اور قرابت قرینہ کی وجہ سے تیز ہوسکتا ہے تو بنی ہاشم ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صاحبزادوں پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا غصہ کیوں نہیں تیز ہوسکتا ہر دو ابناء عم (چچا کے بیٹے) ہی تو ہیں۔

(مقدمہ خامسہ) ہم فرطِ عقیدت اہل بیت میں آ کر ہر دو کے مقامات اور اس زمانہ کے احوال سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں۔ مورخین بھی اس مقام میں اپنے فرائض میں کوتاہی کر بیٹھے ہیں۔ مندرجہ ذیل احوال پر نظر ڈالیں۔

عبد مناف کے ۴ بیٹے ہیں۔ عبد شمس ، نوفل ، مطلب ، ہاشم۔

عبد شمس نے قریش ہی کی لڑکی سے کثرت اولاد حاصل کی ، بنی امیہ پھلے اور پھولے اور خاندان میں کثرت ہوئی۔ ہاشم کے کوئی اولاد کسی مکی عورت سے نہیں ہوئی ، ایک لڑکا نجاریہ عورت سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوا۔ اس کی صغر سنی ہی میں ہاشم کا انتقال ہوا۔ لڑکا ننہال میں پرورش پاتا ہے۔ جب بڑا ہوتا ہے تو چچا یعنی عبد المطلب کہہ کر پکارنے لگتے ہیں۔ اس کا نام شیبۃ الحمد ہے ، مگر اس نام کو کوئی نہیں جانتا۔ اس لڑکے کی پرورش وغیرہ کا تکفل چچا یعنی مطلب ہی کرتا ہے (یعنی وہ اس زمانہ میں ہر طرح دست نگر چچا ہی کا ہے) لڑکا اگرچہ ہونہار ہے اور وہ مجد اور شرافتِ طبعی اور اخلاقی ایسی رکھتا ہے کہ چچا اور اس کی اولاد نہایت محبت اور شفقت کرنے لگتے ہیں۔ اور اس کی اخلاقی عظمت اجنبیوں کو بھی گرویدہ بناتی ہے مگر یہ زمانہ فخر بالانساب اور فخر بالاحساب اور فخر بالمال اور فخر بالعز کا ہے۔

یہ لڑکا ہاشم کی نسل سے ہے ، مگر ماں باہر کی ، اس کے کوئی بھائی حقیقی جو کہ قوت

بازو ہوتا موجود نہیں۔ مال جس کی وجہ سے عزت اور ناموری پیدا کرتا موجود نہیں۔ اس لیے اس کے لیے عزت کا سامان نہیں ہے۔ ادھر اس کے اخلاق جمیلہ لوگوں کو کھینچتے ہیں۔عوام میں اس کی عزت اور توقیر ہوتی ہے اس صورت میں ابناءعم کو رشک پیدا ہونا طبعی امر ہے۔ اور ان کو یہ حسد لوگوں کے سامنے بھی اور اپنے قلب میں بھی حسب رواج زمانہ و ملک مجبور کرتا ہے کہ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھیں اور نہ سب کو ظاہر کریں۔

عبدالمطلب بڑے ہوتے ہیں، تجارت کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔ خواب میں زمزم کو دیکھتے ہیں، جس کو جرہم قبیلہ نے بند کر کے اس طرح معدوم النشان کر دیا تھا کہ پتہ بھی نہیں چلتا تھا، حالانکہ یہ کنواں بنی اسماعیل علیہ السلام کا مایہ فخر تھا۔ عبدالمطلب خواب کے اشارہ کے موافق کنواں کھودنا چاہتے ہیں، ابناءعم مانع ہوتے ہیں، جس قدر بھی دلائل عقلیہ پیش کی جاتی ہیں۔ سب اس رشک اور ظاہری قوت کے سامنے بیکار ہو جاتی ہیں۔ قلت عدد اور ضعف بالرجال آخر کار ناکامی کا منہ دکھاتی ہے (آخر تو اس دنیا میں ہمیشہ قوت ہی سے لوہا منوایا گیا ہے۔ تہذیب اور تمدن، عقل اور انسانیت کا مدعی یورپ آج کیا کر رہا ہے) اس زمانہ میں تو اس قوت کا بت جس قدر رنگ لاتا کوئی تعجب خیز نہیں۔

عبدالمطلب مجبور ہو کر خداوند کریم سے نذر کرتے ہیں کہ اگر میرے اس قدر اولاد ہو جائے جو کہ ان رقباء و حساد کا مقابلے کرے تو میں ایک بیٹے کو تیرے واسطے ذبح کر دوں گا۔ اپنی اس قوت کے لیے ہر بڑے خاندان میں متعدد شادیاں کرتے ہیں۔ خداوند کریم اپنے فضل سے ان متعدد ازواج سے بہت سی اولاد ذکور وانا ث دیتا ہے۔

بیٹے جوان ہو جاتے ہیں، متعدد داماد ہو جاتے ہیں، خاندانوں میں مصاہرت کی وجہ سے قوی رشتہ داری قائم ہو جاتی ہے اب بارہ نوجوان قوی ہیکل بیٹوں کو لے کر

زمزم کھودنا چاہتے ہیں۔ پھر وہی ابناءِ عم مانع آتے ہیں۔ مگر اب عبدالمطلب تن تنہا نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ جان نثار دیوقوت قوی ہیکل جوان بیٹے ہیں۔ جو شخص سامنے آئے اس کو موت کا پیالہ پلانے کے لیے تیار ہیں ایک ایک نفر سو سو کا مقابلہ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا، ہمدرد بہت سے پیدا ہو چکے ہیں۔ عبدالمطلب کی عظمت کا سکہ بیٹھ چکا ہے۔

بالآخر عبدالمطلب اپنے بیٹوں وغیرہ کی امداد سے کنواں کھود ڈالتے ہیں۔ اور ابناءِ عم کو سخت ناکامی اور عاجزی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے کنویں کے ظاہر ہو جانے اور پرانی نشانیوں کے ہویدا ہونے سے عبدالمطلب کی عزت اور ناموری کو چار چاند لگ جاتے ہیں، سقایۃ الحاج ان ہی کا حصہ ہوتا ہے، جس سے تمام عرب اور حجاج وعمار میں ان کا بے مثل وقار قائم ہو جاتا ہے۔

مگر یہ وقارِ اخلاقی سے دور ہیں۔ انصاف پسند عقل مند لوگ اس کی ضرور قدر کرتے ہیں۔ مگر ظاہرین اشخاص جن کی ہر زمانہ اور بالخصوص اس زمانہ اور اس شہر اور ملک میں اکثریت ہے وہ مادی ہی برتری کے پجاری ہیں جو کہ ابناءِ عم یعنی بنی امیہ میں ہی ہے۔

پھر جناب رسول اللہ ﷺ کا ظہور بنی ہاشم میں ہوتا ہے۔ اور بنی المطلب پر ہوتا ہے۔ اس کے بیان کی حاجت نہیں بالآخر خیف بنی کنانہ میں ہر قبیلوں کو تین سال تک قید اور ان کو اپریشن کی مصائب جھیلنی پڑتی ہے۔ ابناءِ عم کی مادی طاقت میں اس قدر اضافہ ہو گیا ہے کہ قبائل عرب اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتے۔ مگر آسمانی طاقت بنی ہاشم کے ساتھ ہے۔ بالآخر صلح اور نان کو اپریشن کو فیل کرنے کی نوبت آتی ہے۔ تاہم نہ ان کی قلبی آتش رشک میں کمی آتی ہے اور نہ ان کی مادی طاقت میں۔

جناب رسول اللہ ﷺ حسن تدبیر عمل میں لاتے ہیں، ان صاحب زادیوں کو

جن کو ابولہب نے اپنے بیٹوں سے طلاق دلوا دی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یکے بعد دیگرے اور تیسری کی ابو العاص بن الربیع رضی اللہ عنہ سے شادی کر دیتے ہیں۔ جس سے بنی امیہ کی طاقت میں نیز ان کی رشک کی آگ میں کمی کی قوی امید ہے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بیوہ ہو جانے پر حبشہ میں نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خط بھیج کر شادی کرتے ہیں۔ اس شادی کی خبر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو جب پہنچتی ہے تو ان کی حمیت اور غضب کی آگ ایک درجہ تک ضرور ٹھنڈی پڑتی ہے۔ اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ

''وہ یعنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اہل ہیں''۔

(جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج کا سلسلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے۔ جس میں سے ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے جن کو سیاسی مصلحت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ کی ازواج میں کوئی ہاشمیہ یا مطلبیہ یا انصاریہ عورت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ یہ قبائل تو آپ کے جان نثار ① پہلے ہی سے تھے۔ ان سے علائق مودت

① یہ جانثاری خاندانی حمیت کے سبب تھی نا کہ اسلام کے جذبۂ اخوت کے سبب۔ کیونکہ تاریخی روایات سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ خود بنو ہاشم میں سے کئی اصحاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے سخت ترین دشمن تھے جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سگا چچا ابولہب اور فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والے چچا زاد بھائی سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب بھی شامل تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے تیرہ سال مکہ معظّمہ میں تبلیغ دین کی تھی۔ اس عرصہ میں ہاشمی خاندان میں صرف تین بالغ اشخاص یعنی دو مرد اور ایک خاتون آبائی مذہب ترک کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

ان تین اشخاص کے برخلاف بنو امیہ میں سے دس بالغ اشخاص نے ابتدائے ظہور اسلام میں اسلام قبول کر کے اول ایمان میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا تھا۔ بنو ہاشم کے تین افراد میں سیدنا حمزہ، سیدنا جعفر بن ابی طالب اور سیدہ ام الفضل زوجہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب شامل تھے جبکہ بنو امیہ کے دس افراد میں ایمان لانے والوں میں سیدنا عثمان، سیدنا ابو حذیفہ بن عتبہ، سیدنا خالد بن سعید بن العاص، سیدنا عمرو بن سعید، سیدنا عبداللہ بن الحکم بن سعید، سیدنا ابان بن سعید، سیدنا سمرہ بن حبیب، ام المومنین ام حبیبہ بنت ابوسفیان، سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط اور والدہ رضی اللہ عنہم عیسیٰ بن کریز اموی شامل تھے۔ (محمد فہد حارث)

ونصرت قائم کرنے اور ان کی آتش حسد کو بجھانے کی ضرورت ہی نہیں)

آسمانی نصرت نے بالآخر تمام بنی اعمام کو آپ کے سامنے سر جھکانے اور بنی ہاشم کا لوہا ماننے پر مجبور کیا۔ مگر تاہم ان کی مادی طاقت کم نہیں ہوئی۔ حدیبیہ کے میدان میں صلح کا پیغام دینے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی بنا پر عمل میں لایا گیا۔ جس کی تصریح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اور یہی ہوا بھی کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریش کے مجمع میں پہنچتے ہیں، تو بنی عبد شمس، اور بنی امیہ ان کے دائیں اور بائیں آکر ان کو ہاتھوں ہاتھ اٹھا لیتے ہیں۔ اور انتہائی عزت کرتے ہیں۔ مخالفین اسلام جو مسلمانوں کے قتل اور توہین کے انتہائی پیاسے تھے۔ ان کو گزند نہیں پہنچا سکتے۔

فتح مکہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مبارک سعی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تدبیر رنگ لاتی ہے اور ابوسفیان مسلمان ہو کر وہ عزت ظاہری بھی حاصل کر لیتے ہیں، جس سے ان کا اور ان کے خاندان بنی امیہ کا سر تمام قریش میں اونچا ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان میں یہ کلمات فرما دیتے ہیں:

''من دخل دار ابی سفیان فھو اٰمن''۔

''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا امن پا گیا''۔

ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ بنی امیہ اگرچہ سر جھکانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ مگر ان کا وقار برباد نہیں کیا گیا بلکہ زندہ ہی رکھا گیا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے یہاں حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا آنا جانا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے خلفاء کا احترام قائم و دائم ہے۔ اس رشتہ کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماموں اور صاحبزادوں حضرت حسین وحسن رضی اللہ عنہما کے نانا مانے جاتے ہیں۔

الغرض یہ خاندان نہ تو اس قدر اجنبی ہے جتنا ہم سمجھتے ہیں اور نہ اس قدر گرا ہوا ہے جتنا اہل تاریخ اور ابناء زمان ظاہر کرتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کی پالیسی صلہ رحمی کی اس قدر زور پکڑتی ہے کہ بنی امیہ تقریباً کامل عروج مادی حاصل کر لیتے ہیں۔ اور بنی امیہ کا جذبہ اعتلاء اور قوت اس قدر زور پکڑ لیتا ہے کہ وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ مسلمان کا اقتدار اور تحفظ اب صرف بنی امیہ ہی کر سکتے ہیں۔

اسی درمیان میں واقعہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیش آ گیا۔ اہل فتنہ کے سردار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ربیب ہیں۔ محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ جن کی وجہ سے یہ فتنہ پیش آیا۔ ان کی پرورش حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمائی تھی۔ اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نکاح میں تھیں۔ باوجودیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم اس فتنہ سے بالکل علیحدہ تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سراسر حامی تھے۔

مگر مصالح وتقیہ وغیرہ کی وجہ سے نہ اہل فتنہ کو دفع کر سکے نہ اس کے بعد اپنے اقتدار اور بیعت کے بعد اہل فتنہ سے قصاص لے سکے۔ اس پر یہ عقیدہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قوی ہو جانا مستبعد نہیں ہے کہ نظام خلافت جو کہ مادی قوت کا بہت زیادہ محتاج ہے بنی ہاشم سے نہیں ہوسکتا۔ وہ اگرچہ تقویٰ اور صلاحیت کی حیثیت سے بہت بلند ہیں۔ مگر مادی اور حسن تدبیری میں اعلیٰ قابلیت نہیں رکھتے۔ اس کے لیے غزوۂ جمل اور غزوۂ نہروان وغیرہ ان کے نزدیک بہت بڑے شہود عدل ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے ہی لوگوں کو بھی سنبھال نہیں سکتے۔

خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ یہ ہے کہ خلافت اور نظام

اسلامی برقرار رکھنے اور ترقی دینے کے لیے مادی① طاقت اولین شرط ہے۔② اور اس میں آج صرف بنی امیہ تمام قریش میں واحد مرکز ہیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور بنی ہاشم اور دیگر مسلمانوں کا نظریہ یہ ہے کہ اس کے یعنی خلافت اسلامیہ کے لیے اولین شرط تقویٰ اور خدا ترسی ہے۔ اور اس کے واحد مرکز بنی ہاشم اور بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ دونوں اجتہادی ③ نظریے اپنا پھل پھول لاتے ہیں۔ یقیناً ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ صحیح ہے۔ اور جمہور اسلام بھی یہی رائے رکھتے تھے مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریہ کو بالکل غلط بھی نہیں کہا جا سکتا۔④

بہرحال صفین کا ناگوار واقعہ پیش آیا اور آخر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صلح اور شرائط کی نوبت آئی۔ جس میں ایک شرط یہ بھی⑤ تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔

① ہمارے خیال میں مولانا سے یہاں تسامح ہوا ہے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نزاع قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کی بابت تھا، نہ کہ امرِ خلافت سے متعلق۔ اسی بات کی وضاحت جملہ مؤرخین کرتے آئے ہیں، یہاں تک کہ البدایہ والنہایہ میں صاف مذکور ہے کہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بابت فرمایا کہ ہم ان کی خلافت کرنے میں پہل کریں گے اگر وہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے از خود قصاص لیں یا پھر ان کو ہمارے حوالے کر دیں۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق مولانا کا پیش کردہ مؤقف یزید کی ولایت عہد سے متعلق زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ یزید کی نامزدگی کے پیچھے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بنو امیہ میں قائدانہ صلاحیتیں بہ نسبت دیگر خاندانِ قریش کے نہ صرف زیادہ بہتر طور پر موجود تھیں بلکہ خود بنو امیہ جو کہ اس وقت تک ایک نہایت مضبوط خاندان بن کر ابھر چکا تھا، کسی غیر اموی کی قیادت پر مشکل سے ہی رضامند ہوتا اور ایسا کرنے کے نتیجے میں اندیشہ تھا کہ امت میں پھر سے خانہ جنگی کا فتنہ سر اٹھا لیتا۔ (محمد فہد حارث)

②، ③، ④ مولانا رحمہ اللہ کے اس نظریے کو مدلل طور پر مورخ ابن خلدون نے بیان کیا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۵، ۲۰۶ طبع مصطفیٰ محمد مصر) (رحیق)

⑤ فتح الباری ص ۵۳ ۵ جلد ٦ (کتاب الفتن) طبع دہلی کے علاوہ تاریخوں میں بھی اس کا ذکر ہے۔ (رحیق)

اب اس کے بعد بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا۔ جس میں اندرونی سازش ① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی ۔مگر اس کے لیے کوئی مستند ثبوت نہیں ہے اور نہ یہ امر اِن نصوص کے موافق ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق قرآن اور احادیث صحیحہ میں وارد ہیں ۔ یا خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق وارد ہیں ۔ اس لیے اگر زہر کا واقعہ ثابت بھی ہو جائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش یقیناً غلط اور بے بنیاد ہے ۔②

دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یزید کی خلافت کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوشش فرمائی اور اس کو نامزد کیا۔ اور لوگوں سے بیعت کا سامان کیا اور اسی امر کو آپ پوچھ رہے ہیں ۔تو اس میں مندرجہ ذیل امور قابل لحاظ ہیں :

(الف) اس کے متعلق آیا ایسی مستند تاریخی روایات موجود ہیں جن کو ان روایات صحیحہ اور نصوص قرآنیہ کے مقابل لایا جا سکے ۔ جو کہ علو شان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر دلالت کرتی ہیں ۔ یقیناً ایسی روایات نہیں ہیں ۔ اس لیے کیوں نہ کہا جائے کہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ خود یزید اور اس کے اعوان نے اس کے لیے کوشش

① حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (البدایہ ص ۴۴ جلد ۸) اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (منہاج ص ۲۴۵ جلد ۲) نے بھی زہر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (یا یزید) کی طرف اس انتساب کو غلط قرار دیا ہے ۔ حیرت ہے کہ خود حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بعض کے پوچھنے کے باوجود کچھ بتایا نہیں پھر معلوم نہیں افسانہ کہاں سے آ گیا۔ اصل یہ ہے کہ اگر یہ درست ہے تو یہ کاروائی بھی اسی سبائی گروہ کی ہے جس نے باقی اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کیا۔ اور ان کو باہم لڑاتے رہے ۔ (رحیق)

② درست بات تو یہی ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے کا واقعہ کسی مستند اور صحیح روایت سے ثابت ہی نہیں ۔آپ رضی اللہ عنہما کی وفات طبعی تھی ۔ ہم اپنی دیگر تحاریر میں اس متعلق تفصیل سے کلام لے کر آئے ہیں ۔ دلچسپی رکھنے والے حضرات حارث پبلی کیشنز سے شائع ہونے والی کتب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی زندگی'' اور ''فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم و اہل بیت'' اور ''مسائل و واقعات محرم الحرام'' کی طرف مراجعت کریں ۔ ان کتب کے حواشی میں اس موضوع سے متعلق تفصیلی و تشفی بخش کلام موجود ہے ۔ (محمد فہد حارث)

کی (یہ لوگ متقی ① نہ تھے اور ملوکیت پسند تھے) عام مسلمان اور بالخصوص اہل حجاز اس کے خلاف تھے۔

(ب) اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش یا سعی اس کے لیے ② ہوئی تھی تو جب کہ حسب شروط صلح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت نہیں

---

① یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے متقی نہ ہونے سے متعلق تاریخی شواہد موجود نہیں۔ بلکہ صحیح السند روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یزید بن معاویہ رحمہ اللہ اپنے دور یعنی خیر القرون کے لوگوں کی طرح ایک صالح شخص تھا جو نماز روزے کا پابند، جہاد میں مشغول اور فقہ وسنت کے مسائل پر گفتگو کرنے والا تھا۔ امام احمد بن یحییٰ البلاذری اپنے استاد امام مدائنی سے نقل کرتے ہیں کہ جب مکہ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس قاصد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر لے کر آیا تو انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے مغفرت کی اور یزید کی توصیف کرتے ہوئے فرمایا:

ان ابنہ یزید لمن صالحی اھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا بیعتکم

ان کا بیٹا یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں سے ہے۔ پس تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹکے رہو اور بیعت کر لو۔ (انساب الاشراف للبلاذری جلد ۵ صفحہ ۳۰۳ و اسنادہ حسن لذاتہ)

اسی طرح یزید سے متعلق سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی قابلِ توجہ ہے:

''تلوموننی علی حسن الرای فی ھذا (یعنی یزید)'' (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۲)

''یعنی تم اس شخص (یزید) کے بارے میں میری عمدہ رائے پر مجھے کیونکر ملامت کر سکتے ہو؟''

تاریخ میں ایسی بھی کوئی ثابت شہادت نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ یزید کی ولی عہدی کی تحریک میں خود اس کا یا اس کے اعوان وانصار کا ہاتھ تھا۔ یزید کی ولی عہدی کی تاریخ صحابہ کرام کی تجویز کردہ تھی اور انہیں کے مشورے پر عمل میں لائی گئی تھی۔ (محمد فہد حارث)

② مورخ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ

ولی عہدی کے جواز پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا تھا۔ انھم متفقون علی صحۃ ھذہ العھد عارفون بمشروعیتہ والاجماع حجت وان عھد الی ابیہ او ابنہ اھ۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے یزید کو ولی عہد بنانے کے متعلق طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

وحضور اکابر الصحابۃ لذلک وسکوتھم عند دلیل علی عدم الریب فیہ الخ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۲۰) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چند کے سوا سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے یزید کی ولی عہدی تسلیم کر لی تھی۔ (البدایہ ص ۷۹۔۸۰ جلد ۸)

ہوسکتی تھی، کیونکہ ان کی وفات ہو چکی تھی۔ تو پھر اب ان عہود و مواثیق کی رعایت باقی ہی نہیں رہی تھی جو کہ بحیثیت صلح ضروری تھیں۔ اب اپنے اجتہاد اور رائے پر عمل کرنا رہ گیا تھا، ان کی وہ رائے کہ مستحق خلافت وہ شخص قریشی ہوسکتا ہے جس میں مادی قوت اور حسن تدبیر ہو اور یہ امر آج بنی امیہ میں عموماً اور یزید میں خصوصاً موجود ہے۔ یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتی کہ خود استنبول① (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جاچکا تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ اس کے فسق وفجور② کا علانیہ ظہور اِن کے سامنے نہ ہوا تھا۔ اور خفیہ جو بد

---

① قسطنطنیہ کا یہ غزوہ ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں ہوا۔ اس میں بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم شریک تھے۔ اور یزید اِن میں تھا۔ اسی غزوہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی: "اول جیش من التی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم" (صحیح بخاری ص ۴۱۰ جلد ا طبع اصح المطابع دھلی)

فتح الباری میں ہے: فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر و منقبة لولده یزید لانه اول من غزا مدینة قیصر (ص ۹۲ جلد ۳)

② یزید کے فسق وفجور کا معاملہ زیادہ افسانوی سبائی معلوم ہوتا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بہت کی مخدوش وغیر مخدوش حکایات ذکر کرنے کے بعد یوں لکھا ہے کہ

وقد کان یزید فیه خصال محمودة من الکرم و الحلم و الفصاحة و الشعر و الشجاعة و حسن الرائے فی الملک و کان ذاجمال حسن المعاشرة و کان فیه ایضا اقبال علی الشهوات وترک بعض الصلوات لبعض الاوقات و اماتتها فی غالب الاوقات (البدایہ ص ۲۳۰ ج ۸)

لیکن اس کے ترک صلوٰۃ کی روایت کوئی نقل نہیں کی بلکہ اس کے خلاف حضرت محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ (ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب ان کے سامنے یزید کے ترک صلوٰۃ وشرب خمر وغیرہ کا ذکر چھڑا تو انہوں نے یزید کی صفائی دیتے ہوئے فرمایا: ما رایت منه ما تذکرون و قد حضرته و اقمت عنده فرایته مواظبا علی الصلوٰة متحریاً للخیر لیسال عن انفقه ملازما للسنة الخ (البدایہ ص ۲۳۲ جلد ۸)

کہ میں نے تو اس میں یہ بات نہیں دیکھی۔ میں اس کے یہاں جا کر ٹھہرا بھی ہوں وہ نماز کا پابند، خیر ==>

اعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی، ایک وہ شخص جو کہ فقیہ فی الاسلام ہے حسب دعواتِ مستجابہ ہادی اور مہدی ہے۔ ﴿وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾① کا مصداق ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ﴾ کا مظہر ﴿كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾

اور ''اصحابی کالنجوم'' الحدیث ''اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضا'' وغیرہ احادیث وآیات کا مورد ہے، کیا وہ کسی مجاہر بالفسق والعصیان کو عالم اسلام کی رقاب اور اموال وغیرہ کا ذمہ دار کرسکتا ہے۔

بخاری شریف کی بعض روایات سے کچھ اس نامزدگی کے اشارات معلوم ہوتے ہیں، مگر ان میں تصریح نہیں ہے۔ صرف رغبت اور پراپیگنڈہ معلوم ہوتا ہے، پھر یہ بھی تصریح نہیں ہے کہ یہ پراپیگنڈہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امر اور اطلاع سے ہورہا ہے۔

(ج) اگر بالفرض یہ امور تسلیم بھی کرلیے جائیں تو غایۃ مافی الباب ایک خطا کا ارتکاب معلوم ہوتا ہے جو کہ انسانی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری ہے۔ جس سے کوئی

==> کا طالب، علم کا متلاشی اور متبع سنت تھا۔ پھر ابن کثیر ہی نے ذکر کیا ہے کہ ۵۲ھ کے غزوہ قسطنطنیہ جس میں یزید امیر فوج تھا۔ (البدایہ ص ۵۹ جلد ۸) حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے۔ (البدایہ ص ۱۵۱ جلد ۸) پھر یزید ہی نے اس غزوے میں انتقال کرنے والے حضرت ابوایوب انصاری کے جنازہ کی (حسب ان کی وصیت) نماز پڑھائی۔ (البدایہ ص ۵۹ جلد ۸)

سوال یہ ہے کہ اگر یزید ایسا ہی فاسق وفاجر تھا تو بڑے بڑے اکابر بلکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تک کیوں اس کے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے۔ اس اثناء میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے یزید کے متعلق کوئی کراہت منقول نہیں۔ اس سلسلے میں امام غزالی کی رائے ابن خلکان اور امام ابوبکر ابن العربی کا فیصلہ (العواصم من القواصم ص ۲۳۲) کا مطالعہ بھی ضروری ہے تاہم معتدل رائے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ہے۔ جسے انہوں نے منہاج السنۃ ص ۲۴۶۔۲۴۷ جلد ۲) میں بیان فرمایا ہے (رحیق)

① میرے صحابہ کے متعلق اللہ سے ڈرو اور میرے بعد ان کو نشانہ نہ بناؤ۔

مقرب یا ولی خالی نہیں ہوسکتا۔ نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے معصوم ہیں۔ اس کمزوری کا مرکز نہ صرف محبت اولاد ہے بلکہ یہ تجربہ اور ظن قوی بھی ہے کہ امت مسلمہ کے اس وسیع احاطہ کو بجز ایسی قاہر ہستی اور ایسے منتظم اور مادی قوت والے شخص کے موجودہ قریش میں سے کوئی سنبھال نہیں سکتا تھا۔ بنی ہاشم اور دیگر اشخاص میں اگرچہ ایسی بے مثال ہستیاں موجود ہیں جو کہ تقویٰ اور خشیت الٰہی کے آفتاب ہیں مگر یہ امر اتنے بڑے مہم امر کے لیے کافی نہیں ہے ورنہ سفک دماء اور اضاعت اموال اور فساد فی الارض پیدا ہوگا، اس لیے اہون البلیتین کو اختیار کرنا لازم ہے۔ ادھر تناخص خانگی بھی رنگ لاتا ہے۔

بہر حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق حسن ظن جس کے لیے نصوص متعددہ وارد ہیں کسی حال میں چھوڑا نہیں جاسکتا۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں ہیں۔ واللہ اعلم بالسراء

طھر اللہ سیوفنا عن دماءھم فلنطھر السنتنا عن اعراضھم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

﴿وَ نَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِھِمۡ﴾ الایۃ کے مصداق میں اور معاویہ ہیں، غور فرمایئے۔

اس تحریر میں طول زیادہ ہوگیا ہے، مگر ان شاء اللہ بہت سے امور میں مفید ہو گی۔ میرے پاس اس وقت کتابیں نہیں ہیں۔ اپنی ناقص محفوظات اور ناقص علم کی بنا پر عرض کر رہا ہوں۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۳ جنوری ۴۳ھ

واقعہ حرہ اور تصویر کا دوسرا رخ

از قلم مولانا مطلوب الرحمٰن ندوی نگرامی

الفرقان لکھنؤ۔ستمبر اکتوبر ۱۹۹۲ء

آج سے نصف صدی قبل مولانا مناظر احسن گیلانی کے واقعہ حرہ اور بنو امیہ کے حوالے سے ایک تنقیدی مضمون کے جواب میں مولانا مطلوب الرحمٰن ندوی نگرامی نے ''تصویر کا دوسرا رخ'' کے زیر عنوان بنو امیہ کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے واقعہ حرہ کے سلسلہ میں وضاحت فرمائی تھی:

واقعہ حرہ میں بے شک تین دن تک باشندگانِ مدینہ کو مصائب کا سامنا رہا اور یزید کی فوجیں اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے سرگرم پیکار رہیں، لیکن کیا مولانا نے اس پر غور فرمانے کی زحمت گوارا نہیں کہ واقعہ حرہ پیش کیوں آیا؟

اربابِ تاریخ لکھتے ہیں کہ ۶۳ ہجری میں اہل مدینہ نے عثمان بن محمد بن ابی سفیان والیء مدینہ کو جو بنو امیہ کی طرف سے مدینہ پر مقرر تھے، عضو معطل بنا دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ بنو امیہ کے افراد کو جو مدینہ میں موجود تھے، ہر طرف سے گھیر لیا۔ یہ مروان کے گھر میں محصور ہو گئے۔ ان کی تعداد حالانکہ ایک ہزار تھی، لیکن اہل مدینہ کے جم غفیر کے سامنے یہ ایک ہزار کی جمعیت بے حقیقت تھی۔ یزید کو خبر پہنچائی گئی، اس نے اہل مدینہ کے اس طرز عمل پر افسوس کیا اور حسرت سے کہا:

''میں نے اپنی طبیعت میں جس طرح حکومت کرنے کا فیصلہ کیا تھا، (مدینے

کے) لوگوں نے (اپنے طرزِ عمل سے) اس کو بدل دیا۔ پس میں نے بھی اپنی قوم کی نرمی کو سختی سے بدل دیا''۔①

پھر مسلم بن عقبہ کو حکم دیا کہ

''فوج لے کر مدینہ پہنچیں اور بنو امیہ کو اہل مدینہ کے شدائد سے نجات دلائیں''۔

لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی تاکید کر دی کہ:

ادع القوم ثلاثاً فان اجابوک والا فقاتلھم②

انہیں تین مرتبہ صلح اور اطاعت کی دعوت دینا، اگر وہ مان جائیں تو بہتر ہے ورنہ پھر جنگ کرنا۔

پھر کہا:

فان مضت الثلاث فاکفف عن الناس۔ وانظر علی بن الحسین فاکف عنه واستوص به خیراً فانه لم یدخل مع الناس وانه قد اتانی کتابه③

''جب تین دن گزر جائیں تو جنگ روک دینا۔ علی بن حسین رحمہ اللہ کا خیال رکھنا اور ان کی ایذا رسانی سے باز رہنا۔ ان سے اچھی طرح پیش آنا کیونکہ وہ اس معاملہ میں لوگوں کے ساتھ شریک نہیں۔ ان کا خط میرے پاس آ گیا ہے''۔

مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ فوج لے کر مدینہ روانہ ہوئے۔ اس وقت اہل مدینہ کا جو رویہ بنو امیہ کے محصورین کے ساتھ تھا، اس کو مورخ ابن اثیر لکھتے ہیں:

① تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۴۔
② حوالہ مذکورہ صفحہ ۴۸۔
③ حوالہ مذکورہ صفحہ ۴۵۔

''جب اہل مدینہ کو مسلم بن عقبہ کے آنے کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بنو امیہ پر اپنا محاصرہ اور سخت کر دیا اور محصورین سے کہا کہ اللہ کی قسم ! ہم تم سے باز نہ رہیں گے، یہاں تک کہ تم کو ذلیل کر دیں، تمہاری شان وشوکت خاک میں ملا دیں اور تمہاری گردنیں اڑا دیں۔ ہاں اگر تم ہم سے بحلف وعدہ کرو کہ ہماری دشمنی نہ کرو گے، ہمارے ممالک محروسہ پر حملہ آور نہ ہو گے اور ہم سے مقاتلہ نہ کرو گے تو ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔''①

مسلم بن عقبہ مدینہ پہنچے تو اہل مدینہ کو مخاطب کر کے کہا:

ان امیر المومنین یزعم انکم الاصل، وانی اکرہ اراقة دمائکم، و انی اوجلکم ثلاثاً، فمن ارعوی وراجع الحق قبلنا منه وانصرفت عنکم②

امیر المومنین آپ لوگوں کو شریف سمجھتے ہیں اور میں بھی آپ لوگوں کا خون بہانا برا سمجھتا ہوں۔ لہٰذا میں تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ پس جو اپنے طرز عمل سے باز آ جائے گا اور راہ حق اختیار کرے گا، میں اس سے اس کو قبول کروں گا اور واپس چلا جاؤں گا۔

جب تین دن گزر گئے تو مسلم بن عقبہ نے ایک موقع پھر صلح جوئی کا نکالا اور قبل اس کے کہ مدینہ پر حملہ کریں اہل مدینہ سے پوچھا:

یا اهل المدینة ما تصنعون؟ تسالمون ام تحاربون؟ فقالوا: بل نحارب③

اے اہل مدینہ! کیا فیصلہ کیا؟ کیا کرو گے؟ جنگ یا صلح؟ اہل مدینہ نے

① تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۵۔
② حوالہ مذکورہ جلد ۴ صفحہ ۴۶۔
③ حوالہ مذکورہ

جواب دیا: ہم جنگ کریں گے۔

مسلم بن عقبہ نے پھر کہا:

لاتفعلوا بل ادخلوا فی الطاعة①

ایسا نہ کرو بلکہ اطاعت قبول کرو۔

اہل مدینہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ بالآخر جنگ شروع ہوئی اور تین دن تک معرکہ ہوتا رہا۔ بے شک مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے اپنا تسلط قائم کرنے کی ہر تدبیر کی، البتہ عصمتیان حرم کی ناموس② کے متعلق مولانا نے جو کچھ لکھا ہے اس کے وہی ذمہ دار ہیں۔

اب حالات آپ کے سامنے ہیں۔ اسی کو واقعہ حرہ کہا جاتا ہے۔ آپ ہی فیصلہ

---

① تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۶۔

② ابومخنف اور واقدی جیسے غالی رواۃ نے نمک مرچ لگا کر واقعہ حرہ کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور ایسی ایسی باتیں اور اتہامات گھڑے کہ جن کا وقوع حقیقت کی دنیا میں محال اور ناممکن ہے۔ جس طرح واقعہ کربلا کو ان لوگوں نے افسانہ بنا دیا، ٹھیک اسی طرح واقعہ حرہ میں بھی ان لوگوں نے اکاذیب و باطل باتوں کا بہت بڑا حصہ شامل کر دیا جس میں تین دن تک مدینہ کا مباح ہونا، ایک ہزار عورتوں کی عصمت دری وغیرہ جیسے بے بنیاد واقعات شامل ہیں۔ واقعہ حرہ سے متعلق لشکرکشی کی کاروائی میں جو جھوٹی باتیں شامل کی گئی ہیں اور جسے بعض اہل علم نے بغیر تحقیق کے نقل کر دیا ہے، انہیں میں سے ایک مکروہ غلط بیانی یہ بھی ہے کہ اسلامی حکومت کی فوج نے مدینے میں کاروائی کے دوران وہاں کی عورتوں کے ساتھ بدکاری کی۔ یہ بات سراسر کذب بیانی اور بہتان پر مبنی ہے۔ پورے ذخیرۂ روایات میں اس متعلق ایک بھی روایت ایسی موجود نہیں جو پایہ صحت کو پہنچتی ہو۔

اس سلسلے میں ایک روایت تو وہ بیان کی جاتی ہے جس کو علامہ ابن الجوزی نے ہشام بن حسان کی سند سے روایت کیا ہے کہ

حرہ کے بعد ہزاروں عورتوں نے بغیر شوہر کے بچے جنے۔ جبکہ یہ روایت سخت باطل ہے کیونکہ ہشام بن حسان کی وفات ۱۴۸ ہجری کی ہے اور اس نے حرہ کا موقع نہیں پایا سو اس نے یہ واقعہ کس سے سنا اس کی کوئی صراحت موجود نہیں جس کہ وجہ سے یہ روایت ناقابل اعتبار اور لائقِ ردّ ٹھہرتی ہے۔ اسی طرح امام بیہقی نے مغیرہ بن مقسم الضبی کے حوالے سے دلائل النبوۃ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ==>

کریں کہ ان واقعات کے پیش نظر بالکلیہ بنی امیہ ہی کو قصور وار ٹھہرا کر ان کے لئے (جن میں بہت سے تابعی رحمہ اللہ اور صحابی رضی اللہ عنہ بھی تھے) غیر شائستہ الفاظ کا استعمال کہاں تک مناسب ہے؟ (مولانا مطلوب الرحمٰن ندوی نگرامی، تصویر کا دوسرا رخ، مطبوعہ الفرقان، لکھنؤ، ستمبر و اکتوبر، ۱۹۹۲، صفحہ ۴۴ تا ۴۶)

==> مغیرہ بن مقسم کا گمان ہے کہ مسلم بن عقبہ نے مدینے میں ہزاروں خواتین کی عصمت دری کی۔ سب سے اول تو یہ عرض ہے کہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے طبقات المدلسین میں مغیرہ بن مقسم کو تیسرے طبقہ میں رکھا ہے (صفحہ ۴۶) جن کی روایات بغیر سماع کی صراحت کے قابلِ قبول نہیں ہوتیں اور اس روایت میں سماع کی صراحت تو دور کی بات مغیرہ نے یہ روایت کس سے سنی وہ تک نقل نہیں کیا ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ مغیرہ کی وفات ۱۳۶ ہجری کی ہے سو ان کو خود کو تو واقعہ حرہ کا دور ملا نہیں اور کس سے انہوں نے ہزار عورتوں کی عصمت دری کی کہانی سنی ہے، اس بابت وہ خود خاموش ہیں سو یہ روایت بھی اصولِ حدیث کے تحت سخت مجروح قرار پاتی ہے۔ اسی مضمون کی ایک روایت علامہ ابن حجر عسقلانی نے مصعب بن عبداللہ الزبیری کی روایت سے الاصابہ جلد ۵ صفحہ ۲۶ میں نقل کی ہے لیکن اس روایت کے مردود ہونے کو یہ بات کافی ہے کہ مصعب بن عبداللہ الزبیری کی وفات ۲۳۶ ہجری کی ہے جبکہ حرہ ۶۳ ہجری میں پیش آیا سو ان کو حرہ کا زمانہ ملا ہی نہیں۔ لہٰذا بے سند ہونے کے سبب یہ روایت بھی باطل ٹھہرتی ہے۔

المختصر واقعہ حرہ کے موقع پر شامی لشکر کی طرف سے ہزاروں خواتین کی عصمت دری کی کہانی انتہائی لغو اور غیر ثابت ہے جس کا روایتاً غلط ہونا تو اوپر مبرہن ہو ہی چکا ہے جبکہ درایتاً بھی یہ بات کسی صورت قابلِ قبول نہیں۔ یہی اسلامی افواج جب کفار کی سرزمین میں جہاد کرتے ہوئے فتح پا کر داخل ہوتی ہے تو اس قدر اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کرتی ہے کہ ان کے اخلاق اور حیا کو دیکھ کر ہزاروں کفار اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ رومی و ایرانی عورتیں اپنے گھروں کی چھت سے ان فاتحین کو دیکھ کر حیرت و استعجاب کے مارے اپنی انگلیاں دانتوں میں دبا لیتی ہیں کہ یہ کون شہسوار ہیں کہ ان جیسی پری چہرہ عورتوں کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے اور یہی ایک چیز ان کے دلوں میں اسلام کی حقانیت کو راسخ کرنے کو کافی ہو جاتی ہے۔

فیا للعجب کہ روم و فارس کو فتح کرنے والی یہی فوج جب اپنے نبی ﷺ کے دیار میں داخل ہو تو انصار و مہاجرین کے گھروں کی عورتوں کی عصمت دری کی مرتکب ٹھہرے۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔